تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کا ترجمان

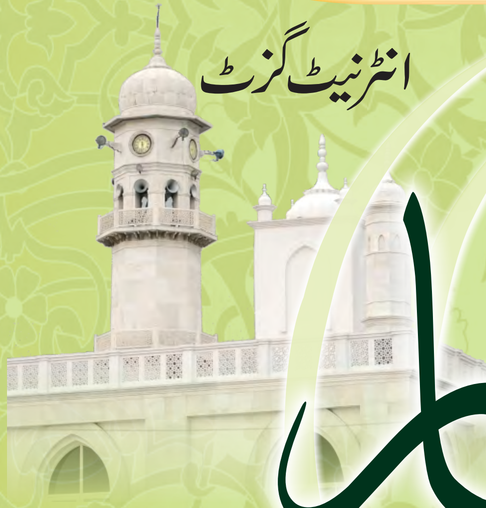

ماہنامہ انٹرنیٹ گزٹ

المنار

جلد نمبر: 4
مئی: 2014
شمارہ: 5

ایڈیٹر: مقصود الحق
نائب ایڈیٹر: آصف علی پرویز، رانا عبدالرزاق خاں
مینیجر: سید نصیر احمد

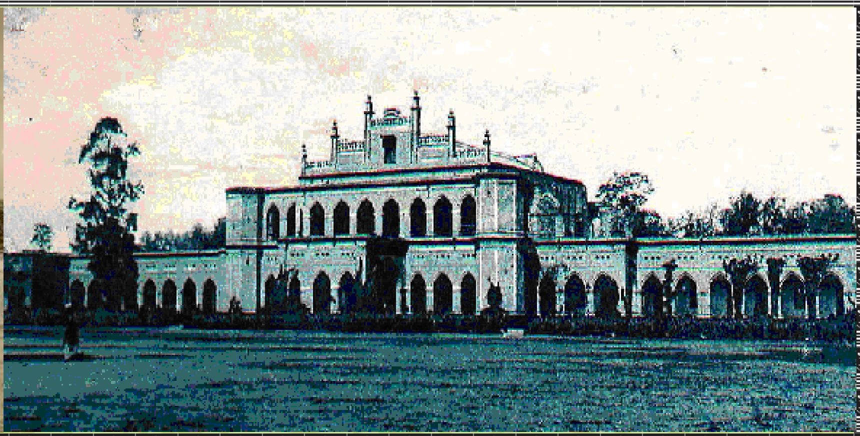

Taleem-Ul-Islam College
Old Students
Association - U.K

53, Melrose Road,
London, SW18 1LX.
Ph. : 020 8877 5510
Fax: 020 8877 9987
e-mail:
ticassociation@gmail.com

المنار ہر ماہ باقاعدگی سے جماعت احمدیہ کی مرکزی ویب سائٹ alislam.org پر upload کر دیا جاتا ہے۔ آپ گزشتہ شمارے دیکھنا چاہیں تو Periodicals کے حصہ میں جا کر ان کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ المنار کو ہمیشہ آپ کی آراء کا انتظار رہتا ہے۔ (ادارہ)

قال اللہ تعالیٰ

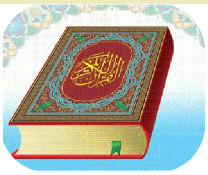

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۵۵

ترجمہ: تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے اُن سے اللہ نے پختہ وعدہ کیا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اُس نے اُن سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور اُن کے لئے اُن کے دین کو، جو اُس نے اُن کیلئے پسند کیا، ضرور تمکنت عطا کرے گا اور اُن کی خوف کی حالت کے بعد ضرور انہیں امن کی حالت میں بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور جو اُس کے بعد بھی ناشکری کرے تو یہی وہ لوگ ہیں جو نافرمان ہیں۔ (النور:۵۶)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ما كانت نبوة قط الا تبعتها خلافه

ترجمہ: کبھی نبوت قائم نہیں ہوتی مگر اس کے بعد خلافت آتی ہے۔ (کنز العمال: حدیث نمبر 32246)

کلام الامام

”خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں اور رسول کا جانشین حقیقی معنوں کے لحاظ سے وہی ہوسکتا ہے جو ظلّی طور پر رسول کے کمالات اپنے اندر رکھتا ہو، اس واسطے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ چاہا کہ ظالم بادشاہوں پر لفظ خلیفہ اطلاق ہو کیونکہ خلیفہ درحقیقت رسول کا ظلّ ہوتا ہے اور چونکہ کسی انسان کے لئے دائمی طور پر بقا نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ رسولوں کے وجود کو جو تمام دنیا کے وجودوں سے اشرف و اولیٰ ہیں ظلّی طور پر ہمیشہ کے لئے تا قیامت قائم رکھے۔ سو اسی غرض سے خدا تعالیٰ نے خلافت کو تجویز کیا تا کہ دنیا کبھی اور کسی زمانہ میں برکات رسالت سے محروم نہ رہے۔“ (شہادۃ القرآن صفحہ 353)

ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

خلافت اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے جو اس کے ساتھ منسلک رہے گا وہ شیطان کے حملوں سے محفوظ رہے گا۔ (از اختتامی خطاب جلسہ یوکے 2007)

یہ خلافت کی ہی نعمت ہے جو جماعت کی جان ہے اس لئے اگر زندگی چاہتے ہیں تو خلافت احمدیہ کے ساتھ اخلاص اور وفا کے ساتھ چمٹ جائیں، پوری طرح اس سے وابستہ ہوجائیں کہ آپ کی ہر ترقی کا راز خلافت سے وابستگی میں ہی مضمر ہے۔ ایسے بن جائیں کہ خلیفۂ وقت کی رضا آپ کی رضا ہوجائے۔ خلیفۂ وقت کے قدموں پر آپ کا قدم ہو اور خلیفۂ وقت کی خوشنودی آپ کا مطمحِ نظر ہوجائے۔ (ماہنامہ خالد 2004 صفحہ 4)

(۲۷ مئی، یوم خلافت کی مناسبت سے)

نصرتِ خلافت کے اعجازی واقعات

محترم مولانا عبدالمالک خان صاحب لاہور میں تھے کہ انہیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف سے پیغام ملا کہ سعودی حکومت نے پاکستان کی حکومت کو ایک خط لکھا ہے، خط کی نقل فوری طور پر حاصل کر کے بھجوائیں۔ چنانچہ محترم مولانا کراچی آئے۔ اس دوران کہیں جانے کے لئے آپ لالوکھیت کے بس سٹاپ پر کھڑے تھے کہ عربی زبان میں لکھے ہوئے ایک بورڈ کو دیکھ کر ہنسے بغیر نہ رہ سکے۔ قریب ہی کھڑے شخص نے حیران ہو کر ہنسنے کی وجہ پوچھی۔ آپ نے کہا کہ یہ عربی سکھانے والے سکول کا بورڈ ہے، لیکن اس پر عربی میں جو عبارت لکھی ہوئی ہے، وہ غلط ہے۔ اس شخص نے بورڈ پر نظر ڈالی تو کہا کہ ہاں یہ عبارت تو واقعی غلط ہے۔ اس شخص نے کہا کہ میں اس سکول کا پرنسپل ہوں، آپ اس سکول میں عربی پڑھائیں۔ حضرت مولانا نے کہا کہ میں تو کہیں اور ملازم ہوں، صرف دو دن کے لئے یہاں ہوں۔ پرنسپل نے اصرار کیا کہ آپ صرف دو دن ہی آکر یہاں لیکچر دے دیں۔ اس بات کو محترم مولانا نے منظور فرمالیا۔

اگلے روز جب آپ اس سکول میں پہنچے تو پرنسپل نے کہا کہ ہمیں حکومت پاکستان نے عربی زبان میں ایک خط ترجمہ کے لئے بھجوایا ہے، جو انہیں سعودی سفارت خانہ کی طرف سے موصول ہوا ہے۔ آپ ہمیں اس خط کا ترجمہ کردیں۔ مولانا نے خط دیکھا تو یہ وہی خط تھا، جسے حاصل کر کے بھجوانے کی ہدایت حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے انہیں فرمائی تھی۔ مولانا نے کہا کہ مجھے اس خط کی ایک نقل دیدیں، میں ترجمہ کر کے آپ کو بھجوادوں گا۔ چنانچہ آپ نے اس خط کا ترجمہ کر کے انہیں دے دیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مولانا سے دریافت فرمایا کہ آپ کو اتنی جلدی مطلوبہ خط کی نقل کیسے مل گئی؟ مولانا نے عرض کیا کہ حضور! میں تو خلافت کا ایک ادنیٰ سا غلام ہوں، اگر آپ ایک سوئی کو حکم دیتے تو وہ بھی یہ کام کردیتی۔

☆☆

مولانا عبدالمالک خان صاحب کے بیٹے مکرم انور محمود خان صاحب نے بیان کیا کہ آئی آئی چندریگر (اسماعیل ابراہیم چُندریگر) نے بحیثیت وزیر اعظم امام جماعت احمدیہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے وارنٹ گرفتاری جاری کروائے۔ اس پر حضرت صاحب نے مولانا عبدالمالک خان صاحب کو طلب کر کے ارشاد فرمایا فوراً کراچی جا کر وزیر اعظم سے ملیں اور جو الفاظ میں آپ سے کہتا ہوں، وہ ان سے جا کر کہہ دیں۔ الفاظ یہ تھے کہ میری جان تمہارے ہاتھ میں ہے مگر تمہاری گردن میرے خدا کے ہاتھ میں ہے۔

چنانچہ مولانا کراچی گئے اور وزیر اعظم کے سیکریٹری سے کہا کہ میں علی برادران کا بھتیجا ہوں، وزیر اعظم سے ملنا چاہتا ہوں۔ وزیر اعظم سے ملاقات ہوئی اور انہیں بتایا کہ میں جماعت احمدیہ کا مربی ہوں، ہمارے امام نے آپ کے لئے یہ پیغام دیا ہے۔ اس پر وزیر اعظم نے اس بات کو ہنسی میں ٹال دیا، آپ واپس تشریف لے آئے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا اعجازی نشان یوں ظاہر ہوا کہ جنرل سکندر مرزا نے اگلے روز ہی انہیں برطرف کر کے اقتدار اپنے قبضے میں لے لیا۔

(ماخوذ از مضمون مکرم محی الدین عباسی صاحب مطبوعہ سہ ماہی ’اسماعیل‘، جنوری تا مارچ 2013)

☆☆

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن یو کے کے زیر اہتمام مشاعرہ

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن یو کے کے زیر اہتمام مورخہ دس مئی بروز ہفتہ ناصر ہال بیت الفتوح میں ایک مشاعرہ منعقد کیا گیا۔ اس مشاعرہ کے اہتمام کا مقصد حقوق طلباء کی مد میں فنڈ اکٹھا کرنا تھا چنانچہ داخلہ کے لئے پانچ پاؤنڈ ٹکٹ تھی لیکن والدین کے ساتھ بچوں کو بغیر ٹکٹ آنے کے اجازت تھی۔ الحمدللہ ایسوسی ایشن کے سابق طلباء سمیت

حاضرین کی تعداد تین سو کے قریب تھی اور ٹکٹوں کی فروخت کے ذریعے پندرہ سو پاؤنڈ سے زیادہ رقم اکٹھی ہوئی جو کہ بصورت چیک حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں حقوق طلباء فنڈ میں پیش کی گئی۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس حقیر کوشش کو قبول کرے آمین۔ مکرم ومحترم

رفیق احمد حیات صاحب امیر جماعت احمدیہ یو کے، مکرم ومحترم مولانا عطاء المجیب راشد صاحب امام مسجد فضل لندن، مکرم ومحترم وسیم احمد چوہدری صاحب صدر انصار اللہ یو کے، مکرم ومحترم مولانا نسیم احمد باجوہ صاحب امام مسجد بیت الفتوح، مکرم و محترم مولانا رانا مشہود

احمد صاحب جنرل سیکریٹری خصوصی مہمانوں میں شامل تھے۔ تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن یو کے۔ کے سابق طلباء دور ونزدیک سے

اس محفل میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے۔ تقریب کا آغاز تلاوت قران پاک سے ہوا

جو کہ مکرم سید نصیر احمد صاحب نے پیش کی۔ مکرم مرزا عبدالباسط صاحب نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا منظوم کلام ترنم سے پیش کیا۔ اسکے بعد مکرم و محترم عطاء القادر طاہر صاحب اسسٹنٹ جنرل سیکریٹری ایسوسی ایشن نے

مہمانوں کو خوش آمدید کہا، بعد ازاں مکرم ومحترم ظہیر احمد جتوئی صاحب نائب صدر اور مکرم سلیم الحق صاحب نے تقریب کے انعقاد کا مقصد بیان کیا اور پھر مشاعرے کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ مکرم مبارک احمد صدیقی

صاحب صدر ایسوسی ایشن نے مشاعرے کی نظامت کی۔ شعرائے کرام میں مکرم عبدالقدیر کوکب صاحب، مکرم رانا عبد الرزاق خان صاحب، مکرم عامر مجید صاحب، مکرم جواد عالم صاحب، مکرم نور الجمیل نجمی صاحب مکرم محمد اجمل پاشا صاحب، مکرم فاروق محمود صاحب مکرم آدم چغتائی صاحب اور مکرم عطاء المجیب راشد صاحب شامل تھے۔ شاعری کے علاوہ مکرم عطاء القادر طاہر صاحب نے پطرس بخاری کا مزاحیہ مضمون مرزاجی کی بائیسکل اور رانا عبدالرزاق خان صاحب نے ایک مزاحیہ مضمون پڑھ کر سنایا۔ تقریب کے اختتام پر مکرم امیر صاحب یو کے نے اختتامی دعا کروائی بعد ازاں حاضرین محفل کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ تقریب انتہائی کامیاب رہی۔ (رپورٹ: رانا عبدالرزاق خان)

نوٹ: (مئی کے شمارے میں مشاعرے کی مختصر رپورٹ شائع کی جاسکی ہے۔ تفصیلی رپورٹ، شعراء کا کلام اور مزید تصاویر آئندہ شمال اشاعت کی جائیں گی۔ ان شاء اللہ)

(بقیہ "دیس سے پردیس تک")

شخص میں ہی ہوں۔ اس پر اس بڑھیا نے کہا کہ میں آپؑ پر ایمان لاتی ہوں۔ ایسی بے لوث خدمت کرنے والا کبھی جھوٹا نہیں ہوسکتا!

آصف: سبحان اللہ! آپ نے کیا عمدہ واقعہ سنایا ہے۔ جزاکم اللہ۔ عبدالسلام صاحب نے حضرت چوہدری صاحبؓ کے ساتھ لندن کا سفر کیا اور وہ اپنے انگلستان کے خوبصورت اور دلکش مناظر کے بارے میں بتلاتے رہے۔

دوست: اس کوٹ کا کیا بنا!

آصف: وہ کوٹ بہت عرصہ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کے زیر استعمال رہا۔ ایک رات لندن میں رہ کر آپ کیمبرج روانہ ہوگئے۔

دوست: آپ کو یاد ہے کہ ہم بھی پچھلے سال تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس کے ہمراہ کیمبرج گئے تھے اور وہاں کی خوب سیر کی۔ چونکہ ہم سردیوں میں گئے تھے اس لئے ہم کشتی میں دریائے کیم River Cam کی سیر نہ کرسکے۔

آصف: جی ہاں! خوب یاد ہے۔ کیمبرج کالجوں کا شہر کہلاتا ہے اس کے سب سے بڑے کالج کا نام Trinity College ہے۔ دوسرا بڑا St. Jones College ہے۔ جس میں

عبدالسلام صاحب کو داخلہ ملا تھا۔ جب آپ کالج پہنچے تو وہاں کیاریوں میں لگے ہوئے گلاب کے پھولوں کو دیکھ کر دم بخود ہوگئے کہ ان پر کتنا حسن تھا۔

دوست: مجھے یاد ہے کہ ربوہ کے نیو کیمپس میں جب آپ M.Sc کر رہے تھے تو وہاں بھی سرو کے درختوں کی قطار اندر قطار خوش آمدید کہتی اور جگہ جگہ گلاب کے خوبصورت پھول تھے۔

آصف: مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ تاہم میں چند سال قبل دوبارہ اپنا کالج دیکھنے گیا تھا۔ نہ تو سرو کے درخت تھے اور نہ گلاب کے پھول!

دوست: اللہ کرے کہ کالج پھر جماعت کو واپس کردیا جائے تاکہ اس کی پرانی رونقیں بحال ہوجائیں۔

آصف: آمین۔ اللھم آمین۔ خیر عبدالسلام صاحب نے استقبالیہ پر اپنا تعارف کرایا۔ چنانچہ آپ کو ہوسٹل میں ایک کمرہ دے دیا گیا۔ وہاں پر موجود پورٹر سے آپ نے کہا کہ ان کا صندوق ان کے کمرے میں پہنچا دے۔ پورٹر نے جواب دیا کہ یہ ہتھ گاڑی (Wheel Barrow) ہے۔ میں آپ کی مدد کرکے آپ کا ٹرنک اس پر رکھوا دیتا ہوں۔ لیکن آپ اپنے کمرے تک اسے خود ہی لے کر جائیں گے۔

دوست: یہ تو ایسے ہی ہوا کہ "سر منڈاتے ہی اولے پڑے" آخر اتنی بے رُخی بھی کیا!

آصف: جی نہیں۔ یہ ایسا نہیں ہے۔ دراصل اس پورٹر نے پہلے ہی دن آپکو "اپنی مدد آپ" کا سبق سکھلایا جس کو آپ نے اپنے پلے باندھ لیا۔

دوست: باتوں باتوں میں پتا ہی نہیں چلا کہ ہم بھی عبدالسلام صاحب کے ساتھ چلتے چلتے کیمبرج پہنچ گئے ہیں۔ لیکن یہ بھی بہت اچھا ہے۔

ان باتوں سے تعلیم الاسلام کالج کے سابقہ طلباء (اور میں امید رکھتا ہوں کہ موجودہ طلباء بھی) پڑھ کر فائدہ اُٹھائیں گے کیونکہ ان میں بڑے اور چھوٹے ہر ایک کیلئے بہت سے پیغامات ہیں۔

آصف: آپ کی بات صحیح ہے۔ چلیے اگلی محفل میں کیمبرج کی باتیں ہوں گی۔ ☆☆

یادوں کے دریچے

ذکر کبیر والے کے ایک پیارے دوست کا

الفضل ربوہ 17 جنوری 2014 کے شمارے میں ندیم احمد صاحب فرخ نے وِکی پیڈیا سے کبیر والا ضلع خانیوال سے متعلق معلومات سے متعارف کرایا ہے اور میری برسوں پرانی تعلیم الاسلام کالج میں طالبعلمی کی یادوں کو کرید نکالا ہے۔

1956 میں کالج میں داخل ہوا، فضل عمر ہوسٹل کا کمرہ نمبر 4 الاٹ ہوا، جب نئے ماحول اور گرمی سے ہوش کچھ ٹھکانے لگی تو تین روم میٹس کے چہروں اور ناموں سے شناسائی ہوئی: سرخ و سفید، صحت مند، دراز قد، سرائیکی لہجے میں بات کرنے والے ریاض حسین مونس، کبیر والہ، ملتان سے تھے۔ پتلے، دبلے رفیق احمد خان منٹگمری، نصرت حفیظ اللہ علوی پنڈ دادن خان اور خاکسار گکھڑ منڈی، ضلع گوجرانوالہ سے تھا۔ ریاض حسین کے کزن ممتاز حسین ناصر کسی اور کمرے میں تھے۔

کلاسیں شروع ہوئیں سوائے علوی کے ہم تینوں پری میڈیکل کلاس میں تھے: ریاض جوشیلا، جبکہ رفیق ہنس مکھ اور علوی خاص مدبرانہ انداز میں گفتگو کرتا۔ ایک دفعہ نہانے کے لئے کون سا صابن بہتر ہوتا ہے؟ علوی کو چھڑنے کے لئے کسی نے سن لائٹ اور لائف بوائے کی تعریف کی۔ علوی سے رہا نہ گیا، لکس کی تعریف میں زمین و آسمان کے کلابے ملا دیئے، رفیق نے یہ کہہ کر بات کا رُخ موڑ دیا، ''چپ کرو کیوں عقل پیچھے لٹھ لئے پڑے ہو!''

ریاض سخت متعصب غیر احمدی تھا، اکثر جماعت کے خلاف باتیں کرتا، ہم اسکے اعتراضات کا جواب دیتے رہتے، یہ سوال جواب کی محفل تلخ ہو جاتی، ممتاز ناصر بتاتا ریاض کبیر والا میں جماعت دشمن عناصر کے جلوسوں میں شامل ہو کر ہمارے گھر کے سامنے آ کر گالیاں بکتا اور سنگ باری کرتا رہتا تھا۔ ریاض کے تعلیم الاسلام کالج میں داخلہ کی وجہ ربوہ میں رہ کر احمدیوں کے عقائد اور مسلمات کے متعلق غیر از جماعت لوگوں نے جو معلومات دی تھیں، جنت دوزخ وغیرہ کا خود مشاہدہ کرنا تھا۔

جمعہ چھٹی کا دن تھا، مسجد مبارک میں ایک بجے خطبہ شروع ہوتا۔ ہوسٹل کے غسلخانوں میں صبح سے بھیڑ لگ جاتی، ایک کے بعد دوسرا۔ بہر حال بارہ، ساڑھے بارہ جمعہ کے لئے نکل پڑتے، جامعہ کے مقابل واقع درے کو عبور کر کے گول بازار سے ہوتے ہوئے، مسجد مبارک پہنچتے۔ کوشش کر کے دوسری تیسری صف میں بیٹھتے ریاض ہمارے ساتھ اسی مستعدی کے ساتھ تیاری کرتا۔ حضرت خلیفۃ المسیح ثانیؓ کا خطبہ دھیان سے سنتا، جب نماز شروع ہوتی، اپنی نماز شروع کر دیتا۔ پہریداروں کی ہدایت پر پچھلی صفوں میں بیٹھنا شروع کر دیا۔ ریاض کے خیالات میں سختی قائم رہی۔

کایا پلٹ: موسمِ گرما کی چھٹیوں سے پہلے مئی کے سخت گرم مہینے میں کالج بارہ ایک بجے بند ہو جاتا۔ ایک دن جب دوپہر کا کھانا کھا کر کمرے میں آئے، کسی مذہبی بات پر ریاض مجھ سے الجھ پڑا، تیزی ہوئی۔ میں لائبریری سے ناول لے آیا تھا میں تو اسمیں کرسی پر بیٹھے منہمک ہو گیا، ریاض چادر اوڑھے پنکھے کی گرم ہوا میں سو گیا۔ گھنٹہ بھر سویا ہو گا، کہ ہڑ بڑا کر اُٹھ کر مجھے یہ کہتے ہوئے جپھے میں لے لیا، ''شریف میری بیعت کرا دو!'' میرے لئے یہ سب کچھ بالکل اچانک تھا، میں نے سارا زور لگا کر یہ کہتے ہوئے اسے الگ کیا ''پاگل ہو گئے ہو!'' لیکن ریاض کہے جا رہا تھا۔ ''میں جواب تک تم سے کہتا رہا ہوں مجھے معاف کرنا۔ بس میری بیعت کرا دو، مجھے اب احساس ہو گیا ہے!'' میں نے محسوس کیا ریاض serious ہے، میں نے گھڑے سے پانی کا گلاس بھرا اور اسے پینے کے لئے دیا۔ ریاض کی آنکھوں میں آنسو تھے، اور چہرے پر اطمینان! میں نے بار بار پوچھا بھئی کیا ہوا، اور بعد میں بھی کئی بار پوچھا، مگر اللہ بخشے ریاض نے میرے اس سوال کا جواب کبھی بھی نہیں دیا۔ ریاض مرحوم کی بیعت منظور ہوئی، ہمارے ساتھ جلسہ سالانہ کی ڈیوٹیاں مستعدی سے دیتا، خدام اور دوسرے اجلاسات میں ہم سب روم میٹ شامل ہوتے۔ ریاض کو اپنا نام ''ریاض حسین'' پسند نہیں تھا، ''محمد احمد'' سے بدلنا چاہتا تھا، ہم مولنا ابو العطا جالندھری صاحب سے جا کر ملے، ریاض نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ مولنا نے ریاض کے خیال سے اتفاق نہ کیا۔ واپسی پر ریاض نے ہمیں بتایا کہ وہ اپنی خواہش کو اپنے بیٹے کا نام ''محمد احمد'' رکھ کر پورا کرے گا! اُس وقت ہماری عمریں ہی ایسی تھیں ہم نے ریاض کی بات ہنسی میں اُڑا دی۔

ایف ایس سی کے بعد میں لاہور اسلامیہ کالج میں بی ایس سی میں داخل ہوا، جبکہ ریاض نے بی ایس سی کے بعد ملتان میں کھاد فیکٹری میں اسسٹنٹ کیمسٹ کے طور پر جائن کیا۔ 1962 میں ہماری ایم ایس سی کی کلاس پنجاب یونیورسٹی سے کراچی کے ساحلی جانوروں کے مطالعاتی دورے پر گئی تھی، واپسی پر راستے میں میرا ریاض سے ملنے کا پروگرام بنا، ریاض نے خانیوال ریلوے اسٹیشن سے مجھے لیا۔ بس کے ذریعے کبیر والہ پہنچے۔ ریتلا علاقہ، خاکستری کچے مکانات، کچی تنگ گلیاں، ٹھیٹھ دیہاتی ماحول۔ ہم گلیوں اور بازار میں گھومے پھرے۔ اگلے دن خانیوال سے ریل پکڑ کر میں ریاض اور اسکے خاندان کی نیک خواہشات ساتھ لیکر لاہور پہنچا۔

ریاض کے بیعت کے بعد مرحوم کے والد محترم ملک فضل دین صاحب ٹیچر ہائی سکول کبیر والہ بیعت کے سلسلے میں ربوہ تشریف لائے، ہماری ہوسٹل میں ملاقات ہوئی، مرحوم متین اور کم گو بزرگ تھے۔ ان کے دونوں بھائی چچا نور الدین اور محمد دین کی کپڑے کی دکان تھی، جب کبھی لائلپور (فیصل آباد) ملوں سے کپڑا خریدنے آتے تو فضل عمر ہوسٹل میں ملنے ضرور تشریف لاتے، مرحوم نورالدین صاحب کے ذریعے احمدیت کا پودا اس خاندان میں لگا تھا، اغلباً انکا جماعت سے تعارف ملتان میں ہوا۔ بہت مشفق اور مدبر بزرگ تھے، اللہ تعالیٰ غریقِ رحمت کرے۔ آمین۔

میں نے 1963 میں تعلیم الاسلام کالج جائن کیا اور ریاض حسین مونس نے لیبیا میں کوئی آئیل ریفائینری۔ بیرونِ ملک جانے سے پہلے ریاض اپنی کزن کو جامعہ نصرت ربوہ میں داخل کرانے ربوہ آیا، ہماری یہ آخری ملاقات مختصر تھی۔ کچھ عرصہ لیبیا میں خط و کتابت رہی، پھر اور بھی غم ہیں شوقِ دوستی کے سوا، ہم اپنی اپنی زندگی کی لڑائی میں مگن ہو گئے۔

جب میں 1999 میں امریکہ آیا، وطن کی یاد پرانی دوستیوں کے جلو میں گھر کر آئی تو ریاض کے حالات جاننے کی خواہش نے بے چین کر دیا۔ انٹرنیٹ کے ذریعے کبیر والہ کی فون ڈائریکٹری میں ریاض حسین کے نام کے دو لوگوں کا پتہ چلا، ایک سے بات ہوئی، کوئی ٹرانسپورٹر تھا۔ آخر تعلیم الاسلام کے ایک طالب علم مکرم محمد داؤد صاحب طاہر کی ای میل ملی، موصوف لمبا عرصہ ملتان میں انکم ٹیکس کمشنر رہے، ریٹائر ہونے کے بعد لاہور میں settle ہونے کا سوچ رہے تھے۔ آپ مرحوم پروفیسر ابراہیم ناصر صاحب کے عزیز ہیں، کالج میں اپنے اساتذہ کے بارے میں اردو میں لکھنا چاہ رہے تھے۔ کسی سلسلے میں ملتان جا رہے

تھے۔میں نے انہیں وہاں کے صدر جماعت سے ریاض کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی درخواست کی۔ان معلومات کے مطابق ریاض لیبیا سے 1995 میں واپس وطن آ گیا تھا۔ذیابطیس کی مرض میں مبتلا رہ کر 1996 میں داعی اجل کو لبیک کہہ گیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عجیب دوست تھا، جب غیراز جماعت تھا، اپنے سرائیکی لہجے میں بات کرتا تو لگتا تھا کہ سخت متعصب ہے، مگر یکدم change of heart نے ثابت کر دیا کہ مرحوم نیک نیتی سے سچائی کی تلاش میں تھا، اللہ تعالیٰ کے فضل سے ساری زندگی بڑے خلوص اور پرہیزگاری سے گزاری۔مرحوم کی چار بیٹیاں اور ایک بیٹا محمد احمد (اللہ تعالیٰ نے مرحوم کی خواہش پوری فرمائی۔الحمدُ للہ) ہے، سب شادی شدہ ہیں۔اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت کرے، اور اسکی آل اولاد پر رحمت وشفقت فرمائے، آمین۔

آجکل یہ سارا خاندان ٹورنٹو، کینیڈا اور کراچی، پاکستان میں آباد ہے۔اللہ تعالیٰ سب کا حامی وناصر ہو، سب مشکلات دور فرمائے۔آمین۔ (محمد شریف خان، امریکہ)

ایک احمدی سائنسدان کا اعزاز

مکرم پروفیسر ڈاکٹر محمد شریف خان صاحب مقیم امریکہ کو پاکستان زولاجیکل سوسائٹی کی جانب سے ان کی اہم تحقیقات کے اعتراف میں سال 2014 کا لائف اچیومنٹ ایوارڈ عطا کیا گیا ہے (ان کی تحقیقات کی تفصیل کا ہلکا سا خاکہ الفضل مورخہ 2 اپریل 2014 میں دو اشاعتوں میں شائع ہو چکا ہے) زولاجیکل سوسائٹی آف پاکستان کے صدر پروفیسر ڈاکٹر اے آر شکوری (تمغۂ امتیاز) نے ڈاکٹر محمد شریف خان صاحب کو اس اعزاز سے مطلع کیا۔یہ ایوارڈ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان میں 25 فروری 2014 کو پاکستان کانگرس آف زوآلوجی کے زیر اہتمام ہونے والی بین الاقوامی زولاجیکل کانفرنس کے موقع پر دیا گیا۔ڈاکٹر صاحب موصوف خود تو اس موقع پر تشریف نہیں لے جا سکے، ان کے ایک احمدی شاگرد، وسیم احمد خاں نے یہ اعزاز وصول کیا۔

ایوارڈ عطا کرنے کے موقع پر کہا گیا: ''ڈاکٹر محمد شریف خان نے پنجاب یونیورسٹی سے 1963 میں ایم ایس سی کی۔ اور یونیورسٹی میں اوّل آنے پر ولیم رابرٹس گولڈ میڈل حاصل کیا۔آپ نے 1963 میں ہی تعلیم الاسلام کالج ربوہ سے لیکچرار کی حیثیت سے اپنا کام شروع کیا اور 1999 میں ایسوسی ایٹ پروفیسر کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے۔ڈاکٹر خان نے پاکستان کے HERPS پر اپنا تحقیقاتی کام ایسے وقت میں شروع کیا جب ان کے سامنے کوئی مثال موجود نہیں تھی اور ثابت قدمی کے ساتھ اس میدان میں تحقیقات جاری رکھیں۔اب تک ڈاکٹر صاحب 34 نئی اقسام دریافت کر چکے ہیں، جن میں 14 سانپ، 15 چھپکلیاں اور 8 مینڈک شامل ہیں۔انہیں بین الاقوامی سطح پر اس میدان کا ماہر تسلیم کیا جاتا ہے۔مختلف زبانوں میں ان کی متعدد کتابیں چھپ چکی ہیں۔ڈاکٹر صاحب نے کئی بین الاقوامی اداروں کے منصوبوں پر کام کیا ہے۔ان میں ورلڈ وائلڈ لائف پاکستان اور پاکستان سائنس فاؤنڈیشن کے منصوبے قابل ذکر ہیں۔آپ نے بہت سے ایم ایس سی کے مقالوں کی نگرانی کی اور اب بھی اپنے میدان میں ریسرچرز کی راہنمائی کرتے رہتے ہیں۔آپ نے اپنا تمام جمع شدہ نایاب قیمتی سرمایہ گورنمنٹ کالج یونیورسٹی کو عطا کر دیا ہے اور وہاں ریسرچرز کے کام آرہا ہے۔اس خاص میدان میں ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں 2002 میں سال کا بہترین ماہر حیوانیات قرار دیا گیا تھا''

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو بیش از پیش خدمات کی توفیق عطا فرمائے اور وہ اس میدان میں احمدیت کا نام اور زیادہ روشن کرنے والے ہوں۔(الفضل ربوہ 15 اپریل 2014)

جستہ جستہ

بہت دن ہوئے ایک صاحب ہمارے پاس بھاگے بھاگے آئے کہ کوئی نام سبکتگین اور الپسلین کے قافیے کا بتاؤ! ہم نے کہا خیریت؟ شرماتے ہوئے بولے میں نے اپنے تاریخی ذوق کی بنا پر اپنے دو صاحبزادوں کے یہ نام رکھے تھے، بس غلطی کر گیا یہ نہ سوچا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بے پایاں ہے ورنہ خاندان سبکتگین کی بجائے خاندان مغلیہ کا انتخاب کرتا، جس میں بابر، ہمایوں سے لیکر رفیع الدولہ اور رفیع الدرجات تک کی گنجائش موجود ہے۔غمگین واندوہگین پر ان کو اعتراض تھا کہ فال بد ہے۔'رنگین'، 'تماش بین'، 'دوربین' اور 'خوردبین' وغیرہ بھی ہمارے ذہن میں آئے مگر ہمارے دوست کا اطمینان نہ ہوا۔

والدین یہ نہیں سوچتے کہ بچہ بڑا ہو کر نالائق نکل آیا یعنی شاعر بن گیا تو 'رنجور'، 'الم'، 'افسوس' اور 'حسرت' وغیرہ تخلص اختیار کرنے سے انہیں کون روکے گا؟ (ماخوذ از خمارِ گندم)

☆☆

اک ٹریفک انسپکٹر اس طرح گویا ہوا
کثرتِ خوراک سے کچھ اور برکت ہوگئی
توند میری ہوگئی میز کی صورت دراز
اور بھی چالان لکھنے میں سہولت ہوگئی

(انور مسعود)

30 ہزار سالہ خوابیدگی کے بعد حیات نو پانے والا ایک وائرس

سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ ایک وائرس کو کم از کم تیس ہزار سال تک خوابیدہ رہنے کے بعد حیات نو بخشی گئی ہے۔یہ وبائی جرثومہ سائبیریا میں منجمد سطح کے سوفٹ نیچے دبا ہوا تھا۔سائبیریا کے اس علاقے میں 1970 کی دہائی کے بعد سے برف میں کمی آئی ہے جو موسمیاتی تبدیلی کے نتیجے میں مزید کم ہوتی جا رہی ہے۔یہ وائرس امیبا کو مارنے کی اہلیت رکھتا ہے، لیکن انسانی خلیوں کو متاثر نہیں کرسکتا۔محققین کا خیال ہے کہ سائبیریا کی اس دبیز برف کی چادر کے نیچے دوسرے خطرناک وبائی جراثیم بھی ہو سکتے ہیں۔

(بی بی سی اردو ڈاٹ کام)

مکّاری و عیّاری و غدّاری و ہیجان
اب بنتا ہے ان چار عناصر سے مسلمان
قاری اسے کہنا تو بڑی بات ہے اقبال
اس نے تو کبھی کھول کے دیکھا نہیں قرآن

☆☆

بیباکی و حق گوئی سے گھبراتا ہے مومن
مکّاری و روباہی پہ اتراتا ہے مومن
جس رزق سے پرواز میں کوتاہی کا ڈر ہو
وہ رزق بڑے شوق سے اب کھاتا ہے مومن

(امیر الاسلام ہاشمی)

لندن کا سفرنامہ

(قسط اوّل)

(پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی)

انسان کی زندگی میں بعض ایسے مواقع بھی آتے ہیں جو صرف ایک بار ہی آتے ہیں اگر انسان اس وقت کسی تساہل یا تذبذب یا کم ہمتی کا شکار ہو کر وہ موقعہ ضائع کر دے تو پھر عمر بھر پچھتاتا ہے۔ یوں تو ہر شخص کو علم ہے کہ ”سدا عیش دوراں دکھاتا نہیں۔ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں“ مگر اس کے باوجود انسان وقت کی قدر نہیں کرتا۔ کسی نے یہ بھی کہا ہے کہ۔

ایک لمحہ تھا کہ ٹھہرا حاصل عمرِ رواں
عمر گذری ہے وہی لمحہ دوبارہ چاہتے

مگر وقت کی لغت میں دوبارہ کا لفظ نہیں ہے۔ خوش نصیبی ایک بار ہی دروازے پر دستک دیتی ہے۔

یہ سارا سال دل کے ہاتھوں لاچاری میں گذرا۔ درِ دل کے حملوں میں تواتر اور عمومی بے یقینی کی حالت رہی۔ سیر کرنا تو کجا چند قدم چلنا مشکل ہو گیا دو قدم چلتا تو سانس پھولنے لگتی اور پھر انجائنا کی تکلیف شروع ہو جاتی۔ اس کا علاج ڈاکٹروں کے پاس صرف یہی تھا مکمل آرام کریں اور پہلا موقع ملنے پر اینجیو گرام کروائیں تاکہ پتہ چلایا جائے کہ تکلیف کا سرچشمہ کہاں ہے اور پھر اس کے درمان کی تدبیر ہو مگر حالات ایسے تھے کہ اینجیو گرام کروانے کی ہمت نہیں پڑتی تھی نجانے کیوں ایسا لگتا تھا کہ دل اس مداخلت بیجا کو برداشت نہیں کر سکے گا۔ اینجیو گرام کو مداخلت بیجا میں نے کوئی یونہی نہیں کہا تین چار بار کے تجربہ سے یہی نتیجہ نکالا تھا کہ ڈاکٹر لوگ دل کی شریانوں میں دخل اندازی کر کے بند راستوں کو ڈھونڈنے اور پھر اینجیو پلاسٹی کر کے کھولنے کی کوشش میں اندر کبڈی کھیلتے پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فضل ہو تو وہ رستے کھل بھی جاتے ہیں مگر پھر کسی دوسری جگہ روک پیدا ہو جاتی ہے۔ کون اس بار بار کی مشق ستم کے لئے تیار ہو۔ مگر جان کو خطرہ ہو تو ایسا کرنا بھی جائز بلکہ واجب ہے اور انسان ایسا خوش فہم ہے کہ جان کے خطرہ کو آسانی سے تسلیم نہیں کرتا۔ میں بھی اسی گومگو کی کیفیت میں تھا کہ ایم ٹی اے والوں کی طرف سے ایک فیکس آیا کہ حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے خلافت جوبلی کے صد سالہ جشن کے موقع پر ایک عالمی مشاعرہ کرنے کا ارشاد فرمایا ہے اور شعرا میں منجملہ دیگر شعرا کے آپ کا نام بھی منظور فرمایا ہے۔ اس فیکس نے ہمارے اندر کی ساری توانائیوں کو مجتمع کر دیا اور ہر چہ باداباد کہتے ہوئے ہم نے اس مبارک سفر پر کمر باندھ لی کہ حضرت اقدس کا ارشاد ہے اور صد سالہ خلافت جوبلی کا موقعہ ہے اور ایسا موقعہ تو پھر ایک صدی کے بعد آئے گا۔ سو سال کے بعد چراغ زندگی ہو گا فروزاں ہم نہیں ہوں گے بلکہ خدا معلوم ہماری اولاد در اولاد میں سے بھی کوئی اس موقعہ کو دیکھنے کے لئے موجود ہو گا کہ نہیں؟

ٹکٹ عزیزی مولانا نسیم مہدی نے مہیا کر دیا بچوں نے ہمیں اپنی بیماری کی طرف سے یوں بے فکر پایا تو بادلِ ناخواستہ ڈرتے ڈرتے تھوڑا تھوڑا کر کے زادِ راہ کے لئے ہمیں کچھ مہیا کر دیا باقی سب کچھ ہماری ہمت پر منحصر تھا اور ہماری ہمت اور ولولے جوان تھے۔ بیماری اور ناتوانیء دل جو سوہانِ روح بنی ہوئی تھی طاق نسیاں پر دھری رکھی تھی۔

فیکس میں تیرہ جولائی کی تاریخ درج تھی ہم نے بارہ کا ٹکٹ بنوا لیا کہ ایک دن سفر کی کوفت اتاریں گے اور دوسرے دن مشاعرہ پڑھیں گے۔ جب چیئرمین صاحب MTA کو مطلع کیا کہ ہم بارہ کو کوئی بارہ بجے کے قریب لندن ہیتھرو پر پہنچیں گے تو وہ فرمانے لگے! ایں؟ بارہ کو بارہ بجے؟ اس کا مطلب ہے آپ ایئر پورٹ سے سیدھے مشاعرہ میں اتریں گے؟ ہم نے کہا مشاعرہ تو تیرہ کو ہے فرمانے لگے آپ کو غلط فہمی ہوئی فیکس میں جس تاریخ کو آپ تیرہ پڑھتے رہے ہیں وہ بارہ ہے اس لئے آپ کو ہوائی اڈہ سے سیدھا مسجد بیت الفتوح میں پہنچنا ہو گا۔ ہم نے کہا چلئے یوں ہی سہی۔ رات بھر کی جگار اور تھکاوٹ سمیت مشاعرہ میں شریک ہونا ہو گا۔ ہم نے لندن میں عزیزی عبد الباسط اور راشدہ کے ہاں ٹھہرنے کا پروگرام بنایا تھا کیونکہ دونوں سعادت مند میاں بیوی ہمارے بچوں جیسے ہیں وہ ہمارا خیال رکھیں گے۔ اس لئے ائر پورٹ پر ہمیں لینے کے لئے ایک تو ایم ٹی اے والوں کے نمائندے تھے نام بھول رہا ہوں

برادرم مولانا عبد الباسط شاہد کے فرزند ارجمند تھے اور دوسرے عزیزی باسط تھا ہم نے باسط کو صورت حال سمجھائی اور درخواست کی کہ وہ مشاعرہ کے بعد ہمیں مسجد بیت الفتوح سے وصول کر کے اپنے گھر لے جائے تاکہ ہم مشاعرہ کے اثرات مابعد سے (بیماری کے after effects) کی طرح مامون و محفوظ رہ سکیں اور چین کی نیند سو سکیں اور یہی ہوا مشاعرہ کے بعد ایم ٹی اے والوں کی دعوت شیراز کھا کر ہم باسط اور راشدہ کی تحویل میں آ گئے اور ان دونوں بچوں اور ان کی اولاد نے ہمارا خوب خیال رکھا۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔ ان کی خدمتوں محبتوں کا بیان کرنے کو سفینہ چاہئے اس بحرِ بیکراں کے لئے۔

ہماری فلائٹ رات بارہ بجے ٹورنٹو سے روانہ ہوئی اور کوئی چھ سوا چھ گھنٹے کے بعد دن کے بارہ بجے لندن پہنچی۔ گویا رات درمیان میں سے غائب ہو گئی اور ساتھ ہی رات کے ساتھ وابستہ نیند اور نیند کی سرمستیاں۔ کینیڈا اور انگلستان کے وقت کے مابین چھ گھنٹے کا فرق ہے اور وہ فرق یوں ظاہر ہوا کہ آنکھیں نیند سے بند ہو رہی تھیں جسم تھکان سے چور تھا اور سفر تمام ہو چکا تھا۔ اس لئے منزل پر پہنچ کر دل کو یہی سمجھانا پڑا اٹھ جاگ بھلا کیا ڈرتا ہے پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے۔ باہر آئے تو دو وصول کرنے والے موجود تھے بڑا حوصلہ ہوا کہ غریب الوطنی میں کس مپرسی کا عالم نہیں دو شجر سایہ دار اپنی باہیں پھیلائے کھڑے ہیں۔ ایم ٹی اے والوں کی

گاڑی میں بیٹھ کر اپنے آپ کو لندن کی دوپہر کی ٹریفک کے سپرد کر دیا بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا۔ ساڑھے بارہ بجے کے چلے ہوئے کوئی دو گھنٹے کے بعد مسجد بیت الفتوح پہنچے۔ معلوم ہوا لوگ ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ خفت اور عجلت کے ساتھ کپڑے تبدیل کئے آنکھوں پر تازہ پانی کے چھینٹے دئے اور سیدھے ہال میں پہنچے۔ ہال کے رستہ میں عزیزم مولانا عطاء المجیب راشد مل گئے ہمیں خوشی

ہوئی کہ ہم اتنے بھی لیٹ نہیں ہوئے۔ امام صاحب کے ساتھ ہال میں پہنچے تو طبیعت باغ باغ ہوگئی۔ ہمارے شاگردوں میں عزیزی صابر ظفر، عزیزی مبارک عابد اور عزیزم ڈاکٹر عبدالکریم خالد آئے ہوئے تھے عبدالکریم قدسی صاحب تھے رشید قیصرانی تھے یوں محسوس ہؤا آ ملے ہیں سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک۔ یورپ کے عزیزوں دوستوں سے تو پہلے ملاقات کی کوئی نہ کوئی سبیل نکلتی رہتی تھی پاکستان کے ان بچھڑے ہوئے دوستوں سے مل کر طبیعت بہت خوش ہوئی اور ادھر جب چیئر مین صاحب MTA نے اعلان کیا کہ سیدنا حضرت اقدس نے مشاعرہ کے دونوں ادوار کی صدارت کے لئے اپنے اس غلام کا نام منظور فرمایا ہے تو دل کی دھڑکن تیز ہوگئی اور اتنی تیز ہوگئی کہ ہمیں مدتوں بعد اس کی موجودگی کا احساس ہؤا ورنہ ہم تو اس کو مرفوع القلم سمجھے ہوئے تھے۔ ہمیں یوں لگا جیسے دل ہمیں شاباش دے رہا ہے کہ ہم نے اس کی ناتوانی کے باوجود اتنی ہمت دکھائی کہ حضور کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے افتاں خیزاں لندن پہنچ گئے اور اب حضور کی بے پناہ شفقت کے مورد ہیں۔ و ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ خلافت احمدیہ کی صد سالہ جوبلی کا مشاعرہ اور ہماری صدارت! ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔

مشاعرہ کے انتظامات دیکھے تو ذرا تشویش ہوئی کہ ان لوگوں نے فرشی نشست کا اہتمام کر رکھا تھا اور ہمارا حال یہ ہے کہ گھٹنوں نے خم ہونے سے انکار کر رکھا ہے یعنی اتنے اکڑ گئے ہیں کہ کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کے بھی روادار نہیں رہے۔ بہرحال کیا کرتے سٹیج پر صدارت کے فرائض ادا کرنے کو پہنچے تو پہلے اپنے سنگیوں ساتھیوں سے التجا کی کہ ہمارے لئے کہیں اپنی درمیان دیوار کے ساتھ بیٹھنے کا اہتمام کریں مگر ایم ٹی اے والوں نے اس کو بھی خارج از امکان قرار دے رکھا تھا عین سٹیج کے درمیان میں بیٹھنا تھا بیٹھے اور یوں بیٹھے جیسے دیوار بیٹھتی ہے۔ بارے ایک چوڑا سا تکیہ ہمیں دیا گیا کہ اس پر تکیہ کریں مگر ہم اس پر کس طرح تکیہ کرتے؟ ہرچند کہ محفل میں پاؤں پھیلا کر بیٹھنا بد تہذیبی ہے مگر ہمارے لئے اس کے سوا چارہ نہ تھا۔ ہم نے رشید قیصرانی کی طرف دیکھا مزے سے کرسی پر ٹیک لگائے سامعین میں بیٹھے تھے اور ہماری بے بسی پر مسکرا رہے تھے۔ مشاعرہ کی نظامت تو چیئرمین صاحب MTA کی تھی اس لئے ہمیں کچھ کہنا وہنا تو تھا نہیں بیٹھے پہلو بدلتے رہے کبابِ سیخ تھے ہم کروٹیں ہر سو بدلتے تھے۔ جو جل جاتا تھا یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے تھے۔ البتہ جب کچھ سنانے کی باری آئی تو ہر چند کچھ سیدھا ہو کر بیٹھنے کی کوشش کی دیکھنے والوں نے یہی دیکھا کہ ہم گھٹنوں چلنے کی سعیٔ ناکام میں مصروف ہیں۔ جلسہ کے بعد اپنے دل کے پرانے معالج جنرل نوری صاحب سے فون پر بات ہوئی (غالباً از رہِ تعریض و تفنن) فرمانے لگے میں نے ربوہ سے چلنے سے پہلے آپ کی صدارت اور مشاعرہ پڑھنے کی ''شہرت'' ربوہ میں سن لی۔ بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا؟ رہی سہی کسر ہماری بیٹی منصورہ حلیم نے نکال دی (اس نے اٹھارہ سال بعد ہمیں دیکھا تھا) ربوہ سے فون پر شکوہ کے رنگ میں کہنے لگی '' ارے میں تو آپ کو دیکھ کر حیران رہ گئی ایک تو آپ بیٹھنا بھول گئے ہیں اور دوسرے یہ آپ نے چہرے پر اتنی سفیدی کیوں کروا رکھی ہے؟'' ہم نے اسے کہا بیٹی ہم غیر المخضوب مسلک کے لوگ ہیں ہم کسی پرانے استاد کے شعر پر عمل کرنے والے نہیں کہ ''جوانی کا دشمن ہے موئے سفید۔ تو کیوں اپنا ''مو'' ہم نہ کالا کریں۔'' پھر ہم رشید قیصرانی کو دیکھ رہے تھے کہ سر پر خضاب اور منہ پر شباب یعنی طرفہ عذاب! ہمارے پاس نہ خضاب رہا نہ شباب! اب انہیں

ڈھونڈھ چراغِ رخِ زیبا لے کر۔ منہ پر لیپا پوتی کی حرکت کہیں پچاس پچپن کے سِن میں کی ہوتی تو واجب تھا اب سترے بہترے ہو جانے کے بعد

پروفیسر غلام جیلانی اصغر جیسا حوصلہ کہاں سے لائیں؟ اور اب تو چوہدری محمد علی صاحب نے بھی خضاب سے قطع تعلق کر لیا ہے۔

'خضابت' ترک کی میں نے گریباں سی لیا میں نے
زمانے اب تو خوش ہو، زہر یہ پی لیا میں نے

پہلے دور کے خاتمے تک تو اس توقع پر مستعد بیٹھے تھے کہ حضرت اقدس بھی تشریف لا کر رونق بخشیں گے مگر دوسرے دور میں معلوم ہوگیا کہ حضور اپنی بے پناہ مصروفیات کی وجہ سے تشریف نہیں لاسکیں گے تو طبیعت میں نارسائی کا ایک احساس کروٹیں لینے لگا۔ یہ ساری بے آرامی ہم اس امید پر انگیز کر رہے تھے کہ حضور تشریف لائیں گے تو یہیں ہمارے پاس تشریف فرما ہوں گے اور ہمیں ان کے قرب کی برکات سے تمتع کا موقع مل جائیگا مگر یہ ساعت سعید ملتوی ہوگئی۔ شاعرانہ نوک جھونک تو مشاعروں کی تہذیب کا حصہ رہی ہے۔ ہم نے ایک غزل پڑھی تھی۔

ہوس کے شعبدہ ءِ دستِ بے اماں سے نکل
وفا کی راہ چلا ہے تو جسم و جاں سے نکل
وہ ایک نور جسے آسماں سے آنا تھا
زمیں میں پھیل گیا ہے وہ قادیاں سے نکل

رشید قیصرانی کو اس زمین کی تازگی اور طراوت نے اکسایا فوراً مائیک کی طرف لپکے اور فرمایا۔

کہ اب تو تو بھی کینیڈا کے آسماں سے نکل

مگر ہماری نارسائی کہ اس وقت مائیک ہماری دسترس میں نہیں تھا عزیزی ڈاکٹر عبدالکریم خالد کے ہاتھ میں تھا ورنہ ہم ترکی بہ ترکی جواب دیتے۔

رشید تو بھی کبھی اپنے ڈی جی خاں سے نکل

مگر جواب دے نہ سکے اور یہ حسرت دل ہی میں رہ گئی۔

پہلا دور ختم ہؤا تو ہم نے سکھ کا سانس لیا کہ اب دوسرے دور میں اپنی مرضی سے دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھیں گے اور بیٹھے مگر معلوم ہوتا ہے زیادہ ہی ''بیٹھ'' گئے کیونکہ مشاعرہ پڑھتے ہوئے کیمرہ کا زاویہ ایسا تھا کہ لوگوں کو محسوس ہؤا کہ ہم جیسے لیٹ کر مشاعرہ پڑھ رہے ہیں۔ حضرتِ داغ جہاں بیٹھ گئے لیٹ گئے۔ غرض یہ مشاعرہ ہماری مجبوریوں لاچاریوں ''ناتوانیوں'' کا چلتا پھرتا اشتہار بن گیا۔ اگلے روز حضرت اقدس سے ملاقات تھی ہم تو ڈرتے ڈرتے گئے تھے مگر حضور نے مشاعرہ کی وڈیو دیکھ رکھی تھی بڑی حوصلہ افزائی کے الفاظ فرمائے اور ساتھ ہی مسکرا کر فرمایا اور ''نوک جھونک بھی ہوتی رہی''۔ ہم نے عرض کیا حضور نے درست فرمایا یہ نوک جھونک تو ہم عصر شعراء میں چلتی رہتی ہے اور چلتی رہنی چاہیئے اس سے مشاعروں میں رونق رہتی ہے۔ پھر حضور نے از رہِ شفقت فرمایا میرا ارادہ شرکت کرنے کا تھا مگر مصروفیت آڑے آ گئی۔ اس پر ہم نے جرأت کی اور نہایت ادب سے گذارش کی کہ حضور مگر حضور کے غلام تو حضور کی صحبت کی خاطر حاضر ہوئے تھے کوئی موقع تو انہیں حضور کی قربت کا ملنا چاہیئے۔ حضور نے پوچھا آپ کب واپس جا رہے ہیں ہم نے کہا دو اگست کو۔ از راہ غلام نوازی فرمایا اچھا کوشش کرتے ہیں کہ اس سے پہلے کوئی موقع نکل آئے۔ (...جاری)

ذروں کی کہانی۔آصف کی زبانی

دیس سے پردیس تک

(آصف علی پرویز)

دوست: پچھلی گفتگو میں آپ نے عبدالسلام صاحب کے ایم اے ریاضی کا ذکر کیا تھا اور یہ بھی بتایا تھا کہ انڈین سول سروس کے امتحانات 1947ء تک ملتوی ہو چکے تھے۔

آصف: آپ کی بات درست ہے۔اب آپ کو ایک سال امتحان دینے کیلئے انتظار کرنا پڑتا چنانچہ آپ کے ابا جان نے میاں افضل حسین صاحب سے مشورہ کیا۔انہوں نے کہا کہ ICS کے امتحان کیلئے 25 سال کی عمر کی حد ہے۔اس لئے بہتر ہو کہ عبدالسلام صاحب کیمبرج سے ریاضی ٹرائی پوز حصہ دوم (Mathematics Tripos Part-II) کر لیں۔

دوست: یہ کیا تعلیمی معیار ہے؟ میں نے کبھی ایسا نام نہیں سنا۔

آصف: یوں سمجھیں کہ یہ بی ایس سی کی ڈگری لینے کے مترادف ہے۔

دوست: یہ عجیب مشورہ ہے۔میرا تو خیال تھا کہ انہیں براہ راست Ph.D کرنی چاہیئے تھی۔

آصف: آپ یقیناً کر لیتے اور بالعموم لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔لیکن میاں افضل حسین صاحب کی رائے تھی کہ جو تعلیمی بنیاد B.Sc میں بنتی ہے وہ Ph.D میں نہیں۔ چنانچہ اس مشورہ کو قبول کرتے ہوئے آپ نے مارچ 1946ء میں داخلے کی درخواست بھجوا دی۔

دوست: انگلستان میں تو پڑھائی بڑی مہنگی ہے۔تو کیا اس وقت کی حکومت ہندوستان نے آپ کو کوئی وظیفہ دیا؟

آصف: آپ تو جانتے ہیں کہ ان دنوں ہندوستان کی آزادی کی تحریک پورے زوروں پر تھی۔اس لئے ایسے امور کی طرف توجہ کم ہی تھی۔

دوست: تو پھر آپ کے تعلیمی اخراجات کیوں کر پورے کئے گئے۔کیونکہ میں نہیں سمجھتا کہ آپ کے والدین میں اتنی مالی استطاعت تھی کہ اپنے پاس سے اخراجات ادا کر سکتے۔

آصف: آپ کی بات درست ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص تقدیر نے اعلیٰ سامان پیدا فرما دیا۔

دوست: وہ کیسے! ذرا ہمیں بھی تو بتایئے۔

آصف: ملک خضر حیات صاحب جنگ عظیم دوم کے دوران پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے۔آپ نے حکومت کی مدد کیلئے وارفنڈ War Fund کے نام سے کئی لاکھ روپے چندہ جمع کیا۔ 1945ء میں جنگ عظیم ختم ہو گئی تو انہوں نے اپنے ایک وزیر سر چھوٹو رام کے مشورہ سے اس رقم کو کسانوں کی بہبودی کے فنڈ Peasant Welfare Fund میں بدل دیا تا کہ اُس سے اُن نسبتاً غریب کسانوں کے ہونہار بچوں کو اعلیٰ تعلیم کیلئے وظائف دیئے جائیں اور شرط یہ رکھی کہ صرف ایسے کسانوں کے بچوں کو وظیفہ ملے گا جو صرف پچیس روپے یا اس سے کم مالیہ یعنی زرعی ٹیکس دیتے ہوں۔

دوست: اُس وقت کے سیاستدان بھی کتنے دیانتدار تھے۔آج کے ہوتے تو شاید خود ہی رقم ہڑپ کر جاتے یا اپنے بچوں کے اللوں تللوں پر خرچ کر دیتے۔کاش ہمیں ایسے سیاستدان آج بھی مل جائیں!

آصف: آپ کا کہنا بجا ہے۔خیر! جب اس سکیم کا علم عبدالسلام صاحب کے ابا جان کو ہوا تو انہوں نے اپنے بڑے بھائی سے درخواست کی کہ اپنی کچھ زمین ان کے نام منتقل کر دیں تا کہ وہ بھی چھوٹے زمینداروں کی فہرست میں آجائیں اور یوں عبدالسلام صاحب کو وظیفہ مل جائے۔

دوست: تو کیا انہوں نے کر دی؟

آصف: جی ہاں! انہوں نے باقاعدہ قانونی طور پر زمین کا انتقال کیا اور اس طرح آپ چھوٹے کسانوں کے زمرے میں آگئے اور آپ نے عبدالسلام صاحب کیلئے وظیفہ کی درخواست حکومت پنجاب کو بھجوا دی۔

دوست: تو کیا آپ کو وظیفہ مل گیا؟

آصف: اسے حسنِ اتفاق سمجھیئے یا اللہ تعالیٰ کی تقدیر کہ وظیفہ دینے والی کمیٹی کے چیئرمین میاں افضل حسین صاحب (وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی) تھے۔وہ عبدالسلام صاحب کے تعلیمی ریکارڈ سے پوری طرح واقف تھے۔انہوں نے عبدالسلام صاحب اور دوسرے چار طلباء کیلئے وظیفہ کی منظوری دے دی۔فالحمدللہ۔

دوست: کیا عبدالسلام صاحب کو کیمبرج میں داخلہ مل گیا تھا؟

آصف: عبدالسلام صاحب نے اپنی درخواست کیمبرج کے سینٹ جونز کالج St. Jones College میں داخلہ کیلئے بھجوائی تھی جو بہت دیر سے ان تک پہنچی۔اس وقت تک داخلے مکمل ہو چکے تھے لیکن اتفاق سے ایک طالب علم (جن کا نام محمد یوسف صاحب تھا) نے اپنی داخلے کی درخواست بعض وجوہ سے واپس لے لی۔چنانچہ ان کی جگہ پر عبدالسلام صاحب کو داخلہ مل گیا۔

دوست: یہ ہے اللہ تعالیٰ کا خاص احسان جس نے قدم قدم پر آپ کی مدد کی۔

آصف: یقیناً۔ایسا ہی نظر آتا ہے۔

جب عبدالسلام صاحب کو داخلے کی اطلاع مل گئی تو آپ نے سوچا کہ شملہ (جہاں گرمیوں میں تمام سرکاری دفاتر منتقل ہو جاتے تھے) جا کر اپنے وظیفہ کے بارے میں پتہ کریں۔جب آپ متعلقہ دفتر میں جانے کیلئے سیڑھیوں پر چڑھ رہے تھے تو اوپر سے آنے والے شخص نے ان سے پوچھا کہ وہ کیوں دفتر جانا چاہتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ میں وظیفے کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔اس نے مسکرا کر جواب دیا کہ میں یہ خط آپ کو ہی پوسٹ کرنے کیلئے نیچے جا رہا تھا۔مبارک ہو آپ کو وظیفہ مل گیا ہے۔طبعاً آپ کو بہت خوشی ہوئی اور آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

دوست: داخلہ بھی مل گیا اور ساتھ وظیفہ بھی! اب تو جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔

آصف: جی ہاں! اب تو سفر کے انتظامات کرنے تھے۔دفتر میں وہ سید خالق حسین صاحب کو ملے۔وہ داخلہ اور وظیفہ ملنے پر بہت خوش ہوئے۔انہوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ فوراً دلی جا کر بحری جہاز پر اپنی نشست بک کرائیں۔ساتھ ہی کمال شفقت سے ایک تعارفی خط بھی دے دیا اور پدرانہ نصیحت کی کہ ''بیٹا! ہر ایک کو سمندری سفر راس نہیں آتا۔اس لئے اپنے ساتھ اچار اور بادام روغن لے جائیں۔''

دوست: مرض البحر ایک بڑی ہی تکلیف دہ عارضی مرض ہوتا ہے۔حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحبؓ نے جب انگلستان کا سفر بغرض تعلیم کیا تو آپ بھی اس میں مبتلا ہوئے۔اس کی کچھ تفصیل آپ نے اپنی کتاب ''تحدیث نعمت'' میں لکھی ہے۔

آصف: دراصل سمندری لہروں کی وجہ سے جہاز بہت سخت ہچکولے کھاتا ہے اس لئے شدید متلی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔خیر! آپ وہاں سے الٹے پاؤں دہلی روانہ ہوئے اور ایک

عارضی سیٹ (Standby) اپنے لئے بک کروالی۔ دفتر والوں نے مشورہ دیا کہ آپ جلد سے جلد بمبئی روانہ ہوجائیں تاکہ 18 ستمبر کو جانے والے جہاز میں سوار ہوسکیں۔ آپ دلی سے سیدھے ملتان اپنے اباجان کے پاس پہنچے۔

دوست: داخلہ، وظیفہ اور سیٹ کا انتظام ہونے پر تو آپ کے والد صاحب ضرور سجدہ شکر میں چلے گئے ہوں گے۔

آصف: کیوں نہیں! انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اب چند روز میں انہوں نے سفر کی باقی تیاری کرنی تھی۔ لیکن اتفاق سے ان کے پاس اتنی رقم نہیں تھی کہ ضروری چیزیں اور صندوق وغیرہ خرید سکیں۔ انہوں نے اپنے ایک پرانے دوست سے نو سو روپیہ قرضِ حسنہ لیا اور عبدالسلام صاحب کیلئے لوہے کا صندوق اور ضروری کپڑے خریدے۔

دوست: دیکھئے اللہ تعالیٰ کیسے انتظامات کرتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نے اپنی ایک تقریر میں اسے زندگی کا دوسرا بڑا موڑ قرار دیا۔

آصف: جی ہاں! اُن دنوں بکثرت فسادات ہو رہے تھے۔ اسلئے سٹیشن پر رات کو کرفیو لگ جاتا تھا۔ چنانچہ آپ نے سٹیشن پر جانے کیلئے پاس بنوا لیئے۔

دوست: کیا آپ کے اباجان آپ کے ساتھ بمبئی تک گئے جیسے حضرت چوہدری ظفر اللہ خان ؓ صاحب کو چھوڑنے کیلئے ان کے اباجان گئے تھے، جب وہ پڑھنے کیلئے انگلستان کو عازم سفر ہوئے۔

آصف: چونکہ ان دنوں بہت فسادات ہو رہے تھے اس لئے انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں اپنے بیٹے کو گھر سے ہی خدا حافظ کہا اور فرمایا ''بیٹا میں گھر میں بیٹھ کر تمہارے لئے دعا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی حفاظت میں لے جائے۔''

دوست: تو پھر کیا اکیلے ہی گھر سے گئے؟

آصف: عبدالسلام صاحب کے بچپن کے ایک دوست مرزا مرید احمد صاحب جو اس وقت پولیس میں ملازم تھے آپ کے ساتھ ہو لیئے۔

دوست: یہ تو بہت اچھا ہوا کہ ان فساد زدہ دنوں میں ایک دوست پولیس افسر آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ نے ان کا پہلے کبھی ذکر نہیں کیا۔

آصف: مرزا مرید احمد صاحب جھنگ میں آپ کے ہمسایہ میں رہتے تھے اور ماشاء اللہ خوب لحیم شحیم نوجوان تھے اور تھے بھی خوش خور۔ جب عبدالسلام صاحب گورنمنٹ کالج میں پڑھتے تھے تو مرزا صاحب ایک دن اپنے دوست عبدالسلام صاحب سے ملنے گئے تو انہوں نے کہا چلو یار! آج تمہیں بھاٹی گیٹ جا کر مچھلی کھلاتے ہیں۔ جب وہاں پہنچے تو عبدالسلام صاحب نے ایک پاؤ مچھلی کا آرڈر دے دیا۔ مرزا صاحب دل میں سوچنے لگے کہ ''اونٹ کے منہ میں زیرہ'' ایک پاؤ مچھلی سے کیا بنے گا۔ کیا سلام اتنا کنجوس ہو گیا ہے! خیر جیسے ہی مچھلی کی پلیٹ ہاتھ میں آئی تو سلام صاحب نے ایک اور پاؤ کا آرڈر دے دیا اور یوں دونوں کئی ''پاؤ'' مچھلی کھا گئے۔ بعد میں سلام صاحب نے مرزا صاحب کو کہا کہ پاؤ مچھلی آرڈر کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ہمیں گرم گرم مچھلی ملتی رہے! واہ رے آپ کی ذہانت!

دوست: دوستی نبھانی ہو تو ایسی ہو!

آصف: جب آپ بمبئی پہنچے تو آپ جہاز رانی کی کمپنی کے دفتر میں گئے اور اپنی سیٹ بحری جہاز ایس ایس فرینکونیا S.S.Frankonia پر کروالی جسے 18 ستمبر کو لور پول Liverpool روانہ ہونا تھا۔

دوست: اس رات تو پھر آپ اطمینان سے سوئے ہوں گے۔ کیونکہ مسلسل کافی عرصہ سے آپ سفر میں تھے۔

آصف: کچھ ایسا ہی تھا لیکن یوں لگا کہ آدھی رات کو شاید کوئی زلزلہ آ گیا ہو۔

دوست: کیا واقعی زلزلہ تھا یا کچھ اور؟

آصف: عبدالسلام صاحب گہری نیند سے اُٹھے تو انہوں نے محسوس کیا کہ کوئی ان کے کمرے کے دروازے کو زور زور سے پیٹ رہا ہے۔ آپ نے جلد دروازہ کھولا تو باہر دو ملٹری پولیس کے افسر کھڑے تھے۔ انہوں نے چھوٹتے ہی کہا کہ ہمیں پتہ چلا ہے کہ تم انڈین آرمی کے بھگوڑے سپاہی ہو اور ہم تمہیں گرفتار کرنے آئے ہیں۔ عبدالسلام صاحب نے انہیں بتایا کہ وہ ایک طالب علم ہیں اور انگلستان پڑھنے کیلئے جا رہے ہیں۔ انہیں اپنا پاسپورٹ اور کیمبرج یونیورسٹی میں داخلہ کے کاغذات دکھلائے تب کہیں جا کر آپ کی جان چھوٹی اور وہ افسران معذرت کر کے چلتے بنے۔

دوست: خدا کا شکر ہی ادا کرنا چاہیئے۔ اگر آج کی طرح کی پولیس ہوتی تو وہ گرفتار پہلے کرتی اور بعد میں تھانے میں جا کر ''مک مکا'' کی دعوت دیتی۔

آصف: واقعی اگر وہ افسران آپ کو غلطی سے گرفتار کر لیتے تو دنیا ایک عظیم سائنس دان سے محروم ہو جاتی۔

دوست: آپ کا بحری سفر کیسا رہا؟ کیا آپ اپنے ساتھ اچار اور بادام روغن لے گئے تھے؟

آصف: اس کا تو مجھے علم نہیں شاید لے گئے ہوں! آپ کے ہم کیبن ایس ایم مینائی تھے۔ (جو بعد میں اسلامی بینک کے نائب صدر بنے) ان کی طبیعت دوران سفر بہت خراب رہی۔ چنانچہ عبدالسلام صاحب نے اپنے سفر کا زیادہ وقت جہاز کے عرشے پر ہی گذارا۔

دوست: سفر سفر ہی ہوتا ہے لیکن بالآخر آپ اپنی منزل مقصود تک پہنچ ہی گئے۔

آصف: تقریباً اٹھارہ روز کے سفر کے بعد آپ شمالی انگلستان کی بندرگاہ لور پول پہنچے۔ سردیوں کی آمد آمد تھی اور عبدالسلام صاحب نے بہت گرم کپڑے نہیں پہنے تھے اس لئے وہ سردی سے تھر تھر کانپ رہے تھے کہ اتفاقاً حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب ؓ کی نظر آپ پر پڑی جو اپنے بھائی چوہدری عبداللہ خان صاحب ؓ کو لینے کیلئے آئے تھے۔ آپ نے اپنا گرم کوٹ عبدالسلام کو پہنا دیا۔

دوست: ہمارے بزرگ بھی کیسے اعلیٰ پائے کے تھے کہ خود سردی برداشت کر لی مگر ایک نوجوان طالب علم کی مدد کی۔

آصف: پھر چوہدری صاحب نے عبدالسلام صاحب سے پوچھا کہ آپ کا سامان کہاں ہے۔ تو انہوں نے اپنے لوہے کے ٹرنک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ میں کسی قلی کا انتظار کر رہا ہوں تاکہ وہ اسے سٹیشن تک لے جائے۔ چوہدری صاحب ؓ نے کہا میاں! ابھی کچھ عرصہ قبل جنگ ختم ہوئی ہے اور قلی ملنا ناممکن ہے۔ چلو ایک طرف سے ٹرنک تم اٹھاؤ۔ دوسری طرف سے میں اٹھاتا ہوں اور یوں ٹرنک کو جھولے دیتے دونوں اصحاب سٹیشن تک پہنچ گئے۔

دوست: یہ ہے کردار کی بلندی! مجھے تو آنحضورؐ کا واقعہ یاد آ گیا۔ ایک دفعہ ایک بوڑھی عورت سامان کی گٹھڑی اٹھائے مکہ میں داخل ہوئی۔ راستے میں آنحضور ﷺ نے اس کی گٹھڑی اٹھا کر اسے گھر پہنچانے کی حامی بھری۔ دوران گفتگو اس بڑھیا نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ مکہ میں ایک ساحر شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس سے بچ کر رہنا۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ

(بقیہ صفحہ 4 کالم 2 پر ملاحظہ فرمائیں)